حیاتِ عبدالمطلبؑ

اسدالعلماء مولانا سید اسد علی صاحب قبلہ، الہ آبادی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الۡمُرۡسَلِیۡنَ وَاٰبَائِہِ الطَّاہِرِیۡنَ۔

رسول اسلامؐ کے جاننے والوں میں کم ایسے ہوں گے جنہوں نے جناب عبدالمطلب کا نام نہ سنا ہو۔ آپ کے دس نام ہیں جن میں سے عامر، شیبۃ الحمد، سید البطحاء، ساقی الحجیج، ساقی الغیث، غیث الوریٰ، ابوالسادۃ العشرہ، حافر زمزم، عبدالمطلب، مورخین نے ذکر کئے ہیں آپ کے قبل یہ کثرت اسماء اور لوگوں کو میسر نہ تھی۔ ان میں کا ہر نام آپ کے بلند کارنامہ کا آئینہ ہے، تکلف نہیں ہے۔

ولادت:۔ جناب ہاشم نے متعدد شادیاں کیں اور بہت سے بچے ذکور واناث پیدا ہوئے لیکن آپ نے محسوس کیا کہ نور رسالت ابھی آپ سے جدا نہیں ہوا جس سے آپ فکر مند ہوئے۔ خانہ کعبہ کا طواف کیا اور اس کو وسیلہ بنایا، دعا کی۔ شب کو خواب دیکھا جس نے مقصد کی نشاندہی کی بیدار ہوئے، بھائیوں کو جمع کر کے نوید مسرت بیان کی، جناب مطلب جو آپ کے حقیقی چھوٹے بھائی تھے اس مقصد کی تکمیل کے لئے تیار ہوئے۔ دیگر اقارب نے بھی اس کو پسند کیا مدینہ پہنچے۔ ہاشم اور ان کے اہل خاندان سے زمین یثرب جگمگا اٹھی۔ جلال ہاشمی ان کی نگاہوں کا مرکز بن گیا۔ جناب مطلب نے فرمایا ہم خانہ خدا کے اہل ہیں اور حرم خدا کے ساکن ہیں عمرو بن لبید کے مکان کی تلاش ہے۔ عمرو ان تمام حضرات کو نہایت عزت واحترام سے مکان پر لائے۔ نہایت بلند حوصلگی کے ساتھ مراسم ضیافت انجام پائے۔

اصل مقصد بیان کرنے کا وقت آیا۔ جماعت یہود اور کچھ اور مفسدوں نے بات بگاڑنی چاہی لیکن دبدبہ ہاشمی نے ان تمام پرخار وادیوں کو سر کر لیا۔ تمام مراحل کی تکمیل اور ایک دوسرے سے پورے طور پر مطمئن ہوجانے کے بعد عقد ہوگیا مگر یہ شرط کی کہ ولادت میکہ میں ہوگی

ہاشمؑ کا سفر شام:۔ مدینہ پہنچ کر ایک مقصد کی تکمیل ہوگئی۔ اس کے بعد دوسرے مقصد کی طرف آپ متوجہ ہوئے یعنی تجارت کے لئے شام جانا۔ آپ نے شام کا سفر کیا اور وہاں سے واپسی میں سلمیٰؑ کے مکان پر مدینہ میں قیام کیا اور محسوس کیا۔ کہ وہ نور منتقل ہوگیا۔ آپ سلمیٰؑ کو مکہ لے آئے اور پھر کچھ دنوں کے بعد میکے پہنچایا۔ اس مرتبہ شام جاتے وقت آپ نے جناب سلمیٰ کو کچھ ایسی وصیتیں فرمائیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے محسوس کر لیا تھا کہ خدا کے نزدیک اب میرے مزید قیام کی دنیا میں ضرورت نہیں ہے۔

آپ نے ارشاد فرمایا: ''سلمیٰؑ میں نے تم کو اس امانت کا امین بنادیا جو آدمؑ و نوحؑ اور ان کے بعد انبیاءؑ کے پاس رہتی چلی آئی ہیں۔ تم کو وصیت کرتا ہوں کہ اس نور کو حرز جان بنا کر رکھنا اور حاسدوں کی بداندیشوں سے بچانے کی امکانی کوشش کرنا۔ اس کے سب سے مکار دشمن یہود ہیں۔ بڑے ہوجانے پر اس کے چچا کے یہاں پہنچادینا تاکہ حرم خدا میں یہ پھلے پھولے پروان چڑھے۔ اس کے بعد آپ اپنے اقارب کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ میں جاتا ہوں اور شاید اب واپسی نہ ہو لہٰذا افتراق ونفاق کو قریب نہ آنے دینا۔ رہا میرے بعد کا مسئلہ تو مطلب موجود ہیں،

تولیت کعبہ اور دیگر خصوصیات سیادت میں ان کو میرا جانشین بنانا۔

یہ فرما کر آپ تشریف لے گئے شام جا کر تجارت کی اور آخر میں مناسب چیزیں اپنے اور سلمٰی کے لئے تحف و ہدایا کے قسم سے خرید فرمائیں۔ سامان سفر درست کیا تھا کہ سفر آخرت کا مسئلہ سامنے آ گیا۔ صاحب فراش ہو گئے۔ بہت سے ساتھی چلے گئے۔ کچھ غلام و اصحاب رہ گئے جن کو ساتھ چھوڑ کر چلے جانے کا مشورہ دیا اور یقین دلایا کہ میں اب نہ بچوں گا، تم لوگ قافلہ کے ہمراہ مکہ کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ ہاں بھائیو اگر مدینہ سے گذر ہو تو سلمٰی کو سلام کہہ دینا میری سرگذشت سنا دینا اور میرے لڑکے کے بارے میں پوری حفاظت و نگہداشت کی تاکید کر دینا کیونکہ اس مولود کی اہمیت میری نظر میں سب سے زائد ہے۔

کون تھا جو امیر حرم کے وداعی کلمات کو سن کر ضبط کر سکتا۔ دل سینوں میں بیقرار ہو گئے۔ سب نے عرض کی ہم آپ کو چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔ دوسرے دن مرض میں اور اضافہ ہوا۔ احباب نے پوچھا کیسا مزاج ہے۔ ارشاد کیا کہ بس آج کے دن اور قیام ہے۔ کل مجھ کو پیوند خاک کر دینا۔ یہ سن کر تمام ساتھی بے قرار ہو کر اشکبار ہوئے۔

وصیت ہاشمؑ اور وفات:۔ تیسری صبح پیام فراق لئے ہوئے طالع ہوئی۔ حالت بدلتی ہی گئی۔ ارشاد فرمایا مجھ کو بٹھال دو اور تکیہ لگا دو قلم و دوات طلب کیا اور کانپتی ہوئی انگلیوں سے تحریر کیا۔

اے پروردگار! یہ تیرے اس حقیر بندے کی تحریر ہے، جس کو تیرا حکم مل چکا ہے۔ جس سے کسی کو مفر نہیں۔ میرے مال کو برابر تقسیم کر لینا اور اس دور بسنے والی کو نہ بھولنا جو تمہارے نور و عزت کی خزانہ دار ہے۔ میں تم کو اس مولود کے حق میں وصیت کرتا ہوں۔ سلمٰیؑ کو میرا سلام کہنا۔ روزِ حشر ملاقات ہوگی۔

یہاں تک لکھ کر اس مکتوب کو تہہ کر دیا۔ اور اپنے ساتھیوں کو دے دیا اور فرمایا کہ اب مجھ کو پھر لٹا دو۔ احباب نے تعمیل ارشاد کی اور نظر آسمان سے جا لگی اور یہ فقرہ زبانِ مبارک سے نکلا: اے حکم خدا کے لانے والے نرمی کر کہ میں نور مصطفیٰؐ کا حامل رہا ہوں۔ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ جیسے چراغ تھا خاموش ہو گیا۔ آپ کی قبر مبارک ''غزہ'' میں ہے جو کہ شام کا ایک شہر ہے۔

یہاں پر یہ امر قابل لحاظ ہے کہ جناب ہاشمؑ کے بہت سے بچے اور بچیاں تھیں۔ اسد، مضر، عمرو، ابوصیفی لڑکے تھے اور صفیہ، رقیہ، خلاوہ، شعثاء لڑکیاں تھیں۔ لیکن شروع سے آخر تک ہر مقام پر وصیت میں سلمٰی کے فرزند کے بارے میں وصیت فرمائی جاتی ہے اور یہ تصریح کی جاتی ہے کہ اس کی اہمیت سب سے زائد ہے۔ حالانکہ آخری وصیت میں جو اقارب و احباب گردوپیش تھے ان کا زیادہ تعلق مکہ اور اہل مکہ سے تھا مگر ان سے بھی اس مولود کے لئے وصیت فرماتے ہیں جو مدینہ میں پیدا ہوگا۔

محبت کا تعلق نظر سے ہے۔ کیسا ہی خونی رشتہ ہو اگر دیکھا نہ ہو تو محبت پیدا نہیں ہوتی۔ لیکن یہ اس محبت کے لئے ہے، جس کی بنیاد جذبات پر ہو۔ اصلی محبت تو اس سے ہونی چاہئے جس کا وجود محبت کرنے والے کی نگاہ انتخاب میں زیادہ افادی جہات کا جامع ہو۔ انسانیت کے کمال و ارتقاء میں جس کی اہمیت زیادہ ہو۔ اس میں شک نہیں کہ اس کے لئے ضمیر کی صفائی البتہ درکار ہے کہ حال کے آئینہ میں مستقبل نظر آتا ہو اور نگاہ انتخاب خطا نہ کرتی ہو۔ مذکورہ بالا واقعہ سے تسلیم کرنا ہوگا کہ جناب ہاشمؑ کی ذات میں یہ صفات جمع تھے اور آپ دین ابراہیمؑ پر تھے نہ کہ دین جاہلیت پر، آپ کی وصیت میں وجود باری کا اقرار، موت کا برحق ہونا، حشر و نشر یعنی معاد کا عقیدہ صاف لفظوں میں موجود ہے۔ رہا عقیدہ نبوت تو اسی کے لئے تو یہ سارا اہتمام تھا۔

پسماندگان ہاشمؑ کا مدینہ آنا:۔ جناب ہاشمؑ کی زندگی کا چراغ خاموش ہوا اور ذاتی کمالات کا چرچا مرثیوں میں ہونے لگا۔ عزم و استقلال، سخاوت و شجاعت کا خاص طور پر ان مرثیوں میں ذکر ملتا ہے۔ ساتھ والے بھی آغوش لحد میں سونپ کر مکہ روانہ ہوئے۔ سرزمین یثرب سے گذر ہوا، وصیت کو یاد کر کے خوب روئے۔ لوگ گھروں سے نکل آئے۔ نامراد سلمٰی بھی نکلیں۔ ان کے والد اور اہل قبیلہ بھی باہر آ گئے۔ ہاشم کے ساتھی ماتمی صورت سے نظر آئے۔ سلمٰی اور ان کے اہل قبیلہ نے مرنے والے کا ماتم

کیا اور جناب مطلبؑ کے یہاں پیغام بھیجا کہ میں آپ کے بھائی کے عہد پر قائم رہوں گی اور دوسرا عقد نہ کروں گی۔

مکہ آنا:۔ ہاشمؑ کا سانحہ لئے ہوئے جب یہ قافلہ مکہ وارد ہوا تو سارا مکہ ماتم کدہ بن گیا دل برما دینے والے نوحے اپنوں نے بھی کہے اور غیروں نے بھی۔جن میں آپ کی صاحبزادیوں کے نوحے نہایت موثر انداز کے حامل ہیں ۔ مراسم تعزیت سے فراغت کے بعد جناب ہاشمؑ کا وصیت نامہ کھولا گیا اور جناب مطلب کے سامنے خلافت ہاشم کا عہدہ پیش کیا گیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میرے برادر بزرگ ''عبدالشمسؑ'' موجود ہیں جن کے ہوتے ہوئے مجھ کو یہ منصب زیبا نہیں ۔لیکن جب خود عبدالشمس نے کہہ دیا کہ یقیناً تم ہی میرے بھائی ہاشم کے خلیفہ ہو تو پھر کسی کو کیا گنجائش پس وپیش رہ جاتی ہے۔تمام اہل مکہ نے باتفاق تسلیم کرلیا۔حرم کی کنجیاں سپرد کردی گئیں اور تبرکات انبیاء بھی۔

ولادت عبدالمطلب علیہ السلام

ادھر یادگار ہاشم نے شکم مادر کی منزلیں طے کیں ۔حریم بطن سے صحن عالم میں قدم رکھا یثرب کا ذرہ ذرہ رشک وادیٔ ایمن بنا،ٹوٹے ہوئے دل کو سہارا ملا۔فراق ہاشم میں رونے والی آنکھوں نے مسکراتا ہوا چاند اپنی آغوش میں دیکھا۔افسردہ رخساروں پر تبسم نے گلکاریاں کیں۔ خزاں رسیدہ ماں کے گلشن زندگانی میں بہار آئی۔ نخل تمنا بارآور ہوا۔ چہرہ کے بعد پیشانی پر جو نظر گئی جو خط نور نظر آیا، بزرگی کا ستارہ چمکتا دیکھا کہنے کو تو ایک سفید بال تھا مگر موشگاف نظر پروانہ سیادت کہے گی۔

ہاشمؑ کے گھرانے والوں کی سرداری کا کیا کہنا ۔ یہ آکر سردار نہیں بنتے ، بن کر سردار آتے ہیں ۔سرداری کا سہرا ان کے سر سے بندھا ہوا ہے،سرداری ان کے ساتھ نشو ونما پاتی ہے،لہٰذا ان کی ترقی سرداری کی ترقی ہے۔

اسی سفید بال کی مناسبت سے ''شیبہؑ'' نام ہوا۔دنیا کی بسیط فضا میں آنے کے بعد ترقی کی رفتار اور تیز ہوگئی ۔ یوں بڑھنا شروع کیا جیسے چاند بڑھتا ہے ۔ظاہر ہے کہ جس کا بچپن ایسا ہو اس کی جوانی کیسی ہوگی ۔ چنانچہ علامہ عباس محمود العقاد مصری اپنی کتاب **ابوالشہداء** صفحہ ۴۰ پر لکھتے ہیں کہ علم انساب کا ماہر ''دغفل'' معاویہ کے پاس آیا۔انہوں نے اس سے کہا: تونے مشاہیر قریش میں سے کسے دیکھا ہے۔اس نے جواب دیا: میں نے عبدالمطلبؑ بن ہاشمؑ کو دیکھا اور امیہ بن عبدشمس کو۔معاویہ نے کہا: ان دونوں کے متعلق مجھ سے کچھ بیان کرو۔دغفل نے کہا عبدالمطلبؑ نورانی صورت ، بلند قامت ،خوبرو انسان تھے۔ ان کی پیشانی سے نبوت کا نور اور سیادت کا جلال آشکار تھا۔ جب وہ نکلتے تھے دس بیٹے ان کے گرد وپیش ہوتے تھے۔جن میں کا ہر ایک شیر نیستاں تھا۔معاویہ نے کہا: امیہ کے متعلق بھی بیان کرو۔ اس نے کہا: میں نے اس کو پستہ قد، کمزور جسم، دبلا پتلا دیکھا ہے، اس کے آگے آگے اس کا غلام ذکوان چلتا تھا۔معاویہ نے کہا: چھوڑو بھی، وہ تو اس کا بیٹا ابوعمرو تھا۔دغفل نے کہا: یہ وہ بات ہے جو تم نے ایجاد کی ہے جو میں جانتا تھا میں نے بتا دیا۔

اس کی توضیح میں مصنف مذکور نے اسی کتاب کے صفحہ ۲۰ پر لکھا ہے کتاب المثالب میں ہشم بن عدی نے بیان کیا ہے کہ ابو عمرو جو امیہ کا بیٹا کہا جاتا ہے وہ امیہ کا غلام تھا۔اس کا نام ذکوان تھا وہ نسب میں شامل کرلیا گیا اور ''حرب'' نام ہو گیا۔

عبدالمطلبؑ کا مکہ آنا

جناب شیبہؑ سات آٹھ سال تک یثرب ہی میں نشو ونما پاتے رہے ۔ایک بار بنو الحارث بن عبد مناف کا ایک شخص مدینہ آیا۔ یہاں اسے چندلڑکے تیر اندازی کرتے ہوئے ملے،شیبہؑ جب تیر نشانہ پر مار دیتے تو وہ فخریہ طور پر کہتے تھے: میں ہاشمؑ کا بیٹا ہوں میں بطحاء کے رئیس کا بیٹا ہوں۔'' حارثی نے مکہ آکر مطلبؑ سے کہا: اے ابوالحارث! سنو میں نے یثرب میں چندلڑکوں کو تیر اندازی کرتے ہوئے دیکھا۔ان میں ایک ایسا لڑکا تھا کہ جب اس کا تیر نشانہ پر لگ جاتا تو وہ اظہار فخر میں کہتا: ''میں ہاشمؑ کا بیٹا ہوں، میں بطحاء کے رئیس کا فرزند ہوں۔'' مطلبؑ نے کہا: بخدا

اب میں اپنے گھر نہ جاؤں گا جب تک کہ اس بچہ کو نہ لے آؤں۔ حارثی نے کہا اگر اس قدر مستعد ہو تو لو یہ میرا ناقہ صحن میں بندھا ہے اس پر چلے جاؤ۔

مطلب کا مدینہ آنا:۔ مطلبؑ اس ناقہ پر سوار ہو کر یثرب آئے۔ سر شام وہ آبادی میں پہنچے۔ بنی عدی بن نجار کے محلہ میں آئے۔ یہاں انہوں نے دیکھا، قبیلہ کی چوپال کے احاطہ میں لڑکے کھیل رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے بھتیجے کو شناخت کر کے وہاں والوں سے پوچھا: ''یہ ہاشمؑ کا بیٹا ہے؟'' ان لوگوں نے کہا: ''ہاں یہ تمہارا بھتیجہ ہے۔ اگر تم اسے لینا چاہتے ہو تو ابھی پکڑ لو۔'' جناب مطلبؑ نے یہ سن کر سواری بٹھائی اور آواز دے کر فرمایا: ''میرے بھائی کی یادگار قریب آؤ۔'' آواز سن کر شیبہ قریب آئے اور عرض کی: آپ کون ہیں۔ میرا دل آپ کی طرف کھنچا جاتا ہے اور میرا خیال ہے کہ آپ میرے چچا ہیں۔'' جناب مطلبؑ اب ضبط نہ کر سکے، آنسو جاری ہو گئے۔ فرمایا: ''تم سچ کہتے ہو۔ میں تمہارا چچا ہوں۔'' یہ کہہ کر پیار کیا اور کہا: ''یادگار برادر! میں تمہیں ساتھ لے چلنا چاہتا ہوں۔ باپ چچا کے وطن چلو۔'' یہ کہہ کر انہوں نے اونٹنی بٹھادی اور وہ لڑکا تیر کی طرح اچھل کر ناقے کے پچھلے حصے پر بیٹھ گیا۔ مطلب اسی وقت اسے لے کر مکہ روانہ ہو گئے۔ طبری نے لکھا ہے کہ مطلبؑ نے جب تک شیبہؑ کے لئے اجازت نہ لے لی ان کی ماں کا پیچھا نہ چھوڑا۔

عبدالمطلبؑ کا مکہ آنا: مطلب اسے دن چڑھے مکہ لے کر آئے۔ اس وقت سب لوگ اپنی اپنی نشست گاہوں میں موجود تھے۔ وہ پوچھنے لگے: ''تمہارے پیچھے یہ کون سوار ہے۔'' انہوں نے کہا: 'یہ میرا غلام ہے۔'' اس کے بعد ہر جگہ انہوں نے یہی جواب دیا۔ چنانچہ شیبہؑ کو لئے ہوئے مطلبؑ خود اپنے گھر وارد ہوئے۔ ان کی زوجہ خدیجہ بنت سعید بن سہم نے پوچھا: ''یہ کون ہے؟'' انہوں نے ان کو بھی یہی جواب دیا۔ گھر سے نکل کر مطلبؑ خزورہ آئے۔ یہاں سے انہوں نے ایک حلّہ خریدا اور شیبہؑ کو جا کر پہنایا۔ پھر سر شام اسے لے کر بنی عبد مناف کی مجلس میں آئے۔ چونکہ مطلب نے ہر جگہ دریافت کرنے پر مصلحتاً یہی کہا کہ ''میرا غلام ہے۔ اس وجہ سے سب ان کو ''عبدالمطلب'' کہنے لگے۔

عبدالمطلبؑ اور نوفل کی نزاع:۔ مکہ آ کر مطلبؑ نے ہاشمؑ کی املاک کی نشاندہی کر دی اور ان سب پر ان کو قابض بنا دیا۔ نوفل جو کہ مطلبؑ کے بھائی اور عبدالمطلبؑ کے چچا تھے ان سے کنویں کے بارے میں نزاع ہو گئی۔ چچا نے بھتیجے کے کنویں پر زبردستی قبضہ کر لیا۔ یتیم ہاشمؑ نے اپنی قوم کے کئی آدمیوں کے پاس جا کر اس کی شکایت کی اور اپنے چچا کے مقابل مدد مانگی، مگر ان لوگوں نے اس سے انکار کیا اور کہا غیر کا مقابلہ ہوتا تو ہم حاضر تھے مگر ہم تمہارے اور تمہارے چچا کے درمیان نہیں پڑتے۔ اس جواب پر عبدالمطلبؑ اپنی ننہال کی طرف متوجہ ہوئے اور نظم و نثر کے ذریعہ اپنی بپتی سنائی۔ اس تحریر کے موصول ہونے کے بعد ابو اسعد ابن اعدس نجاری اسی ناقہ سواروں کے ساتھ یثرب سے روانہ ہو کر ابطح آیا۔ عبدالمطلب کو ان کے آنے کی اطلاع ہوئی۔ وہ استقبال کو بڑھے اور عرض کی: ماموں صاحب قیام فرمایئے ابو اسعد نے کہا: جب تک نوفل سے میری مڈبھیڑ نہ ہو جائے گی میں فروکش نہ ہوں گا۔ عبدالمطلب نے کہا میں ان کو ''حجر'' میں مشائخ قریش کے ساتھ بیٹھا چھوڑ آیا ہوں۔ ابو اسعد ''حجر'' آیا اور اپنی تلوار نیام سے نکال کر نوفل کے سرہانے کھڑا ہوا اور کہا کعبہ کے پروردگار کی قسم یا تو تم میرے بھانجے کو اس کے کنوئیں واپس دے دو ورنہ میں اس تلوار سے تمہارا قصہ پاک کئے دیتا ہوں۔ نوفل نے کہا: رب کعبہ کی قسم میں نے وہ کنویں ان کو واپس دے دیئے اس پر تمام حاضرین کی شہادت ہو گئی۔ اس کے بعد ابو اسعد نے کہا: اے میرے بھانجے! اب میں تمہارا مہمان ہوتا ہوں۔ چنانچہ تین دن قیام کیا اور اس درمیان میں عمرہ بھی ادا کیا۔ جناب عبدالمطلبؑ کو اپنا حق پانے میں کامیابی تو ہو گئی لیکن نوفل پر اس کا یہ اثر ہوا کہ انہوں نے تمام بنی

عبدشمس سے جو کہ بنی ہاشم کے پیدائشی مخالف تھے ان کے خلاف ایک سمجھوتہ کرلیا اور بنی امیہ اور بنی عبدالمطلبؑ کی باہمی مخالفت کی گرہ اور پڑ گئی۔

اس واقعہ سے عبدالمطلب کے دل میں دوسروں کو حلیف بنانے کا خیال پیدا ہوا۔ انہوں نے بسر بن عمرو، ورقاء، خزاعہ کے افراد کو معاہدہ کی دعوت دی اور حرم میں معاہدہ لکھا گیا۔

ایک دوسری بات بھی معلوم ہوئی کہ سرور کائناتؐ ہی کے دور میں نہیں بلکہ اس کے قبل بھی اہل یثرب نے اہل بطحاء کی مدد کی ہے ۔اور کامیاب بنایا ہے۔ سرور کائناتؐ کا یہ طریق کار اپنے جد کی تاسّی بھی کہا جاسکتا ہے اگر چہ ان کا ہر اقدام مرضی الٰہی سے ہوتا تھا۔

محمد بن ابی بکر کہتے ہیں کہ میں نے یہ قصہ موسیٰ بن عیسیٰؑ سے بیان کیا تو وہ کہنے لگے کہ ہاں چونکہ امیہ نے ہم کو دولت و امارت عطا فرمائی ہے اس لئے ہم سے تقرب جتانے کے لئے انصار یہ قصہ بیان کرتے ہیں ۔ حالانکہ عبدالمطلب اپنی قوم میں اس قدر معزز تھے کہ ان کو قطعی اس بات کی ضرورت نہ تھی کہ بنونجار مدینہ سے ان کی حمایت کے لئے آتے ۔ میں نے کہا: جناب والا اہل مدینہ کی نصرت کی اس شخص کو بھی ضرورت ہوئی جو عبدالمطلب سے بہتر تھا۔

اب تک موسیٰ بن عیسیٰؑ تکیہ کے سہارے بیٹھے ہوئے تھے ۔ یہ جواب سن کر سیدھے ہو بیٹھے اور بولے: کیا عبدالمطلب سے بہتر کوئی ہے ۔ میں نے کہا: خیر البشرؐ انہوں نے کہا بیشک اور یہ کہہ کر پھر تکیہ کرلیا۔ اور اپنے بیٹوں سے کہا کہ اس واقعہ کو ابن ابی بکر کی روایت سے قلمبند کرلو۔

مطلبؑ کی وفات اور عبدالمطلبؑ کی جانشینی

جناب مطلب بن عبدمناف کی موت کے بعد حرم اور حاجیوں سے متعلق جو خدمات آپ کے سپرد تھیں اور اس وجہ سے قوم میں جو عزت و شرف حاصل تھا وہ اب عبدالمطلب کو ملا۔

کارنامۂ تجدید زمزم :- چاہ زمزم کے سامنے آجانے کے بعد جو چاہے ساقی زمزم بن جائے، لیکن در اصل مالک شرف وہ ہے جس کے قدموں کی بدولت زمزم عالم وجود میں آیا۔ یا وہ جس نے اس کی تجدید کی۔

جناب عبدالمطلبؑ کو بشارت ہوئی کہ جناب اسمٰعیلؑ کی یادگار تازہ کریں اور ان کا فیض پھر عام کریں۔ اور بشارت دینے والے اس جگہ کی نشان دہی کی جس کو حوادث دہر تہہ خاک کر چکے تھے۔ آپ اپنے فرزند حارث کو لے کر وہاں پہنچے۔ اس وقت یہی ایک فرزند تھے جن کی وجہ سے آپ کو ابوالحارث کی کنیت سے یاد کیا جاتا تھا۔ جب آثار زمزم نظر آئے قریش کو خبر ملی۔ انہوں نے اس کام میں عبدالمطلبؑ کی انفرادیت کو پسند نہیں کیا اپنی اشتراکیت کا سوال اٹھا دیا ۔ عبدالمطلب نے فرمایا: کسی کو حکم بنالو۔ جو وہ کہے اس پر عمل کیا جائے۔ سعید بن خیثمہ کو حکم بنانے پر سب متفق ہوئے ۔ اتفاق سے وہ شام میں تھے ۔ چنانچہ فریقین روانہ ہوئے ۔ ایک طرف قریش کے ہر ہر قبیلہ کے کچھ افراد دوسری طرف عبدالمطلبؑ اور کچھ بنی عبدمناف کے اشخاص۔ چلتے چلتے شام و حجاز کے درمیان کا صحرائے ناپیدا کنار آیا جن میں عبدالمطلبؑ اور ان کے ساتھیوں کا پانی ختم ہو گیا اور پیاس کی شدت محسوس ہوئی لیکن جس قدر پیاس کی فراوانی تھی اسی قدر پانی کا قحط ۔ جناب عبدالمطلبؑ نے قریش سے پانی طلب کیا۔ ان لوگوں نے پلانے سے انکار کیا۔ آپ نے اپنے ساتھیوں سے دریافت کیا کہ تم لوگوں کی کیا رائے ہے۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہم سب آپ کے تابع فرماں ہیں، جو آپ مناسب سمجھیں ہم بجالائیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم لوگوں میں سے ہر شخص اپنے لئے قبر کھود لے، اور مرجانے کے بعد اس کے ساتھی اس کو اسی گڑھے میں دفن کردیں۔ یہاں تک کہ آخر میں ایک بچ جائے تو اس کی میت کا ضائع ہونا سب کے ضائع ہونے سے بہتر ہے۔

اس حکم کی سب نے تعمیل کی اور پیاسوں کی جماعت موت کی منتظر لب گور بیٹھ گئی ۔ جناب عبدالمطلب نے فرمایا کہ ابھی ہم میں چونکہ تلاش کی سکت ہے۔ لہذا اس طرح قبر میں پاؤں لٹکا کر بیٹھنے کی ضرورت نہیں ۔ چلو پانی تلاش کریں ۔ اگر نہ ملا تو پھر

مرنے کے لئے یہ قبریں موجود ہی ہیں۔ دنیا عالم اسباب ہے وہ اپنے خاص بندوں کو بھی بلا جد و کد نہیں دیتا۔ اسمٰعیل کو بھی صرف رونے پر نہیں دیا تھا۔ سن و سال کے لحاظ سے انہیں بھی پائے طلب کو جنبش دینا پڑی تھی۔ یہاں پوتے پر بھی عنایت کی نظریں ہیں۔ لیکن صرف پیاسا ہونا کافی نہیں تلاش لازم ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اقدام جستجو کا پہلا قدم اٹھا تھا کہ پتھر کا جگر پسیج گیا۔ سنگ خارا بہہ نکلا۔ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ عبدالمطلبؑ سوار ہو کر چلے ہی تھے کہ مرکب کے قدم کے نیچے سے آب حیات ابل پڑا۔ پھر کیا تھا۔ کشت زندگانی میں جان آ گئی۔ ڈوبتی ہوئی نبضیں ابھرنے لگیں بیٹھتا ہوا دل جوان ہو گیا۔ سب نے خوب پیا۔ مشکیں بھر لی گئیں۔ عبدالمطلب نے قریش کو بلا کر کہا کہ سیر ہو کر پی لو۔ اور جتنا ممکن ہو بھر لو، سب نے آ کر خوب پیا۔ اور پی کر قسم کھائی کہ اس کرامت کے ظہور کے بعد زمزم کے معاملہ میں نزاع بیکار ہے کیونکہ جس پروردگار نے اس دشت میں ان کو پانی عطا کیا اسی نے ان کو مالک زمزم بھی بنایا۔ اسی فیصلہ کے بعد وہ لوگ واپس گئے اور عہدہ سقایت میں اشتراک کا سوال ختم ہو گیا۔

تعمیر زمزم:۔ جناب عبدالمطلبؑ نے زمزم کھودنا شروع کیا۔ قریش کو بھی اس امر خیر میں شرکت کی دعوت دی۔ ان لوگوں نے اس کی طرف رغبت نہ کی۔ آپ نے تنہا کھودا اور صرف آپ کے ایک فرزند حارث اس وقت آپ کی مدد کر سکے۔ لہذا رفیق کار کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے آپ نے در کعبہ پر ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور نذر فرمائی کہ اگر مجھ کو دس فرزند عنایت ہوئے تو ایک کو تیری راہ میں قربان کروں گا۔

خدمت خلق اور تعمیر حرم کے جذبات کے تحت چونکہ یہ کلمات دل کی گہرائی سے نکلے تھے اس لئے بارگاہ اجابت تک پہنچے اور دس بیٹے عطا ہوئے جن کے نام حارث، زبیر، حجل، ضرار، مقوم، ابولہب، عبداللہ، ابوطالب، حمزہ، عباس، یہ بیٹے مختلف ازواج سے تھے۔ سوا عبداللہ و ابوطالب و زبیر کے کہ ان تینوں حضرات کی والدہ فاطمہ بنت عمرو تھیں۔

قربانی عبداللہ:۔ اب نذر پورا کرنے کا وقت آ گیا۔ آپ نے سب کو جمع فرمایا سیر و سیراب کیا۔ کیونکہ قربانی کا پیام پہنچانا تھا۔ اس کے بعد سب کے مجمع میں ارشاد فرمایا: ''تم سب میرے نزدیک ایک ہو، کوئی فرق نہیں ہے لیکن خدا کا حق مقدم ہے۔ میں نے نذر کی تھی کہ اگر مجھ کو دس بیٹے عطا ہوئے تو ایک کو شکرانہ میں قربان کر دوں گا۔ میرا سوال پورا ہوا، اب مجھے بھی اپنا وعدہ پورا کرنا چاہئے۔ تم لوگوں کی کیا رائے ہے۔'' یہ پیام سن کر وہ سب ایک دوسرے کو تکنے لگے اور خاموش ہو گئے۔ لیکن امین نور رسالت باوجود سب سے کمسن ہونے کے وہی کچھ کہہ اٹھا جو اس کے جد اسمٰعیلؑ نے ابراہیمؑ سے کہا تھا۔ ارشاد ہوا کہ آپ ہمارے حاکم ہیں۔ ہم آپ کی اولاد ہیں۔ خدا کا حق سب سے مقدم ہے۔ اور اس کے ادا کرنے پر ہم صابر و رضامند ہیں۔ گیارہ برس کا سن اور یہ جذبۂ ایثار، خود عبدالمطلبؑ کا دل بھر آیا۔ ریش مبارک تر ہو گئی۔ پھر آپ نے اور بچوں سے پوچھا کہ تم لوگوں کی کیا رائے ہے۔ سب نے رضا و تسلیم کا مظاہرہ کیا۔ اور کہا کہ ایک کیا ہم سب قربان ہونے کو تیار ہیں۔ آپ نے اظہار تشکر کیا اور فرمایا کہ تم لوگوں کی ماؤں کا بھی حق ہے ان کو بھی آگاہ کر دو اور کہہ دو کہ نہلا دھلا کر تیل لگا کر لباس فاخرہ پہنا دیں۔ اس طرح وداع کر لو جیسے پھر ملاقات نہ ہو گی۔

تعمیل حکم کے لئے تمام صاحبزادے اپنی اپنی ماؤں کے پاس چلے گئے۔ اور ان کو مطلع کیا۔ ادھر مائیں اپنے اپنے بچوں کو وداع کرنے لگیں۔ ادھر عبدالمطلبؑ نے قربان گاہ کی تیاری کی۔ اور خنجر لئے برآمد ہوئے۔ ایک ایک کو ان کے گھر پر آواز دی بچے ماؤں سے رخصت ہو کر اکٹھا ہو گئے۔ جناب عبدالمطلبؑ سب کو لیکر چلے۔ عبداللہؑ نے جب اپنی مادر گرامی کو بے حد مضطرب دیکھا تو عرض کی،: ''مادر گرامی! اگر میں خدا کے انتخاب میں آ گیا تو آپ صبر کیجئے گا، ورنہ میں خود آتا ہوں۔'' یادگار خلیل سب کو لئے خانۂ کعبہ پر تشریف لائے، قرعہ اندازی سے انتخاب ذبیح کرنا چاہا، ارشاد فرمایا: ''اے کعبہ و حرم کے مالک! اے زمزم و

عظیم کے خالق! اے انسانوں اور ملائکہ کے رب! اپنے نور سے تاریکی کا پردہ چاک کردے۔ اور نوشتۂ مشیت ہمارے لئے واضح کردے، تو نے مخلوق کو اپنی قدرت کاملہ سے خلق فرمایا۔ اور ان کو بندگی کا حکم دیا۔ کائنات کے مالک تجھ کو معلوم ہے کہ میں نے نذر کی تھی کہ اگر تیری جانب سے دس فرزند عطا ہوئے تو ایک کو تیری بارگاہ میں پیش کروں گا۔ لہٰذا اب اس کا وقت آگیا ہے۔ یہ تیری امانتیں موجود ہیں، جس کو چاہے پسند فرما۔ اس کے بعد قرعہ اندازی ہوئی اور سب سے چھوٹے فرزند جناب عبداللہؑ کے نام قرعہ نکلا۔

یہ سن کر عبدالمطلبؑ کو غش آگیا۔ تمام اولاد رونے لگی۔ سب سے زائد جناب ابوطالبؑ پر اثر تھا کیونکہ یہ دونوں حقیقی بھائی تھے۔ عالم یہ تھا کہ بار بار نور جبین کو بوسہ دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ کاش زندگی اتنی ملتی کہ تمہارے فرزند کو دیکھتا جو تمہارے اس نور کا مالک ہے جس کو خدا نے ساری خلقت پر فضیلت دی ہے۔ یہی بات تھی کہ جب آنحضرتؐ متولد ہوئے تو جناب ابوطالبؑ نے اولاد سے بڑھ کر ان سے محبت کی اور اکثر فرماتے تھے تم پر قربان جاؤں اے دو ذبیحوں کے فرزند یعنی اسمٰعیلؑ اور عبداللہؑ۔ بہر حال جناب عبدالمطلبؑ نے جناب عبداللہؑ کو ماں اور بھائیوں سے لے کر ذبح کرنے کا ارادہ کرلیا ہے اس وقت جناب ابوطالبؑ کا حال یہ تھا کہ بھائی کے دامن سے لپٹے ہیں، روتے جاتے ہیں، فرماتے ہیں کہ ''میرے بھائی کو چھوڑ دیجئے اور مجھ کو اس کی جگہ پر ذبح کر لیجئے۔ میں بالکل راضی ہوں۔ لیکن کوہ عزم جناب عبدالمطلبؑ ہیں ''بیٹا یہ نہیں ہوسکتا میں حکم خدا کے خلاف نہیں کرسکتا۔''

اکابر قریش عمائدین عرب یہ دردناک منظر نہ دیکھ سکے، آکر سید البطحاء سے عرض کی کہ پھر ایک بار قرعہ اندازی فرمایئے۔ شاید کسی اور کے لئے نکلے لیکن دوسری بار جب عبداللہؑ ہی کے نام نکلا تو پھر جناب عبدالمطلبؑ نے مزید تاخیر عزم واستقلال کے خلاف سمجھی اور حامل نور رسالت کو لے کر نحر گاہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ گروہ خلائق آپ کے کارنامے سے مضطرب ہے۔ وہاں پہنچ کر پاؤں کس لئے۔ قربانی کے لئے لٹا دیا، بالکل ذبح کے لئے تیار ہو چکے کہ ایک شخص بزرگان قوم میں سے آیا جس کا نام عکرمہ بن عامر تھا لوگوں کو اشارہ سے خاموش کیا اور کہنے لگا کہ آپ سید بطحا ہیں، اگر آپ ایسا کریں گے تو یہ سنت بن جائے گی اور اس کے انجام کی ذمہ داری آپ کے شانوں پر ہوگی۔ جناب عبدالمطلبؑ نے فرمایا: ''کیا میں اپنے پروردگار کو ناراض کردوں۔'' عکرمہ نے عرض کی: ''نہیں میں صلاح نیک دیتا ہوں۔ ایک کاہن کے پاس چلیں اور اس سے مشورہ کریں۔'' عکرمہ کی اس رائے پر اس جماعت عرب نے اتفاق کیا اور جناب عبدالمطلبؑ پر زور دے کر کہا کہ عکرمہ کی رائے بالکل درست ہے۔ تقاضائے مصلحت یہی تھا کہ آپ ان کے مشورہ کو نظر انداز نہ کریں۔ آپ تشریف لے گئے۔ اس نے دیکھ کر کہا کہ اس لڑکے کا ذکر عالم پر بلند ہوکر رہے گا۔ میں اس کے رہائی کی تدبیر بتاتا ہوں۔ تمہارے یہاں دیت کتنی ہے؟ انہوں نے جواب دیا: ''دس اونٹ اس نے کہا: ''بس جاؤ دس اونٹ اور عبداللہ پر قرعہ اندازی کرو اور برابر دس دس کا اضافہ کرتے جاؤ۔ یہاں تک کہ سو اونٹ تک نوبت پہنچے۔ اگر سو پر بھی نہ نکلے اور عبداللہ ہی پر نکلے تو پھر اس نونہال کو ذبح کرنا۔

جناب عبدالمطلبؑ نے آکر جب یہ خبر سنائی تو اس ماں کو تسکین ہوئی جس کی آنکھیں روتے روتے مجروح ہوگئی تھیں اور فرمایا: ''مجھ کو امید ہے کہ فدیہ قبول ہوجائے اور میرا فرزند بچ جائے۔'' چنانچہ اس دکھیا ماں نے اپنی ماں کے یہاں سے اونٹ منگوائے اس موقع پر دوسرے لوگوں نے بھی ناقے پیش کئے مگر جناب عبدالمطلبؑ نے فرمایا ''امید ہے کہ میرا ہی مال کافی ہوجائے۔'' امتحان کا فیصلہ کن دن سامنے آیا۔ جناب عبدالمطلبؑ خلیل کی شان سے نکلے۔ ایک ہاتھ میں عبداللہ کی انگلی جو دولہا معلوم ہوتے ہیں، دوسرے ہاتھ میں چھری اور رسی۔ مادر عبداللہ نے عرض کی: ابھی چھری اور رسی رکھ دیجئے تا کہ دل کو سکون رہے۔''

لیکن جناب عبدالمطلبؑ نے تسکین کے لئے فرمایا کہ مجھ کو خدا کی ذات سے آج امید ہے کہ فدیہ قبول ہوگا۔ یہ سب کچھ کہا لیکن چھری اور رسی نہیں رکھی یعنی عزم میں تزلزل نہیں آنے دیا۔ جد کے کردار کی تصویر ہو بہو کھینچی۔ کہنے کو معصوم نہ تھے لیکن ان کا کردار اوالعزمی کا موقع نگار تھا۔

کعبہ میں تشریف لائے، سات بار طواف کیا۔ تکمیل مقصد کی دعا کی۔ خالق کے بعد مخلوق کی طرف متوجہ ہوئے، یہ کہنے کے لئے کہ ''سمجھ لیجئے آج آپ لوگ میری قربانی میں دخل نہ دیں۔''

قرعہ کی کاروائی شروع ہوئی دس اونٹوں اور قرعہ اندازی ہوئی۔ نتیجہ جناب عبداللہؑ کے نام نکلا۔ برابر دس اونٹوں کا اضافہ ہوتا رہا۔ اور قرعہ عبداللہؑ کے نام نکلتا رہا، یہاں تک کہ سو کا عدد مکمل ہو کر آیا۔ مشیت ایزدی کا رخ بدلا۔ حیوانی کثرت، انسانی وحدت کا فدیہ بنی۔ قرعہ اونٹوں کے نام نکلا۔ لیکن قربانی کا جذبہ صادق ابھی مطمئن نہیں ہوا۔ جناب عبدالمطلبؑ فرماتے ہیں: ''ایک بار اور قرعہ اندازی کی جائے۔ شاید کہ فروگذاشت ہوگئی ہو۔'' دوسری بار بھی وہی نتیجہ نکلا جو پہلی بار نکلا تھا۔ اطمینان حاصل ہوا اور اونٹوں کو نحر کرایا۔

اس قربانی نے انسانیت کے درجہ کو پہلے سے دس گنا بلند کر دیا۔ پہلے دیت دس اونٹ تھی اب سو ہوگئی۔

جب اس طرح عبداللہؑ بچ گئے تو نور رسالت بجھانے کی ناکام کوشش زہر آلود کھانے کے ذریعہ سے بھی کی گئی مگر نہ نور خدا بجھ سکا ہے نہ اس کا مائل۔ (عبدالمطلب اور سپاہ فیل)

دنیا میں جن لوگوں نے کردار کی بلندی کی وجہ سے دل ودماغ کو مسخر کیا ہے ان میں یہ نام نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ تائید الٰہی کچھ اس طرح اس سردار کے شامل حال تھی کہ دنیا کے سرداروں سے نہ بنتی ہوئی بات ان کے ہاتھوں سے بن جاتی تھی۔ قریش کا عالم یہ تھا کہ انقلابات عالم کے ہاتھوں کاروبار زندگی میں جب بھی گتھی پڑی تو اسی سردار کے ناخن تدبیر نے اس کو کھولا۔ کسی قحط یا غنیم کی تاخت یا دیگر آفات ارضی وسماوی کے موقعوں پر یہی چوکھٹ حریم امن ثابت ہوئی تھی۔ گرفتاران مصیبت پیشانی کے خطوط میں دادرسی کی تحریر پڑھ لیا کرتے تھے اور وحشت زدہ نگاہیں چہرہ کے خدوخال میں سیادت کے ابھرے نقوش دیکھ لیا کرتی تھیں۔

تاریخ تو یہاں تک بتاتی ہے کہ حیوان تک اپنے مالک کی مرضی کے خلاف پاس ادب سے سر جھکا دیتے تھے۔ جس کا شاہد اصحاب فیل کا قصہ ہے۔

بات یہ ہوئی کہ اہل مکہ کا ایک گروہ بغرض تجارت سرزمین حبشہ پر وارد ہوا۔ وہاں وہ لوگ عیسائیوں کی عبادت گاہ میں چلے گئے اور آگ روشن کر کے کھانے پینے کا انتظام کیا۔ غلطی یہ کی کہ جاتے جاتے چنگاری چھوڑ گئے جس سے فتنہ وفساد کی آگ بھڑک اٹھی اور وہاں جو کچھ تھا نذر آتش ہوگیا۔ وہ لوگ جب آئے تو اپنی عبادت گاہ کو خاکستر دیکھ کر مشتعل ہوئے دریافت کرنے سے پتہ چلا کہ عرب تجار کی لائی ہوئی آگ تھی۔ اپنے بادشاہ نجاشی سے شکوہ کیا۔ اس کو غصہ آیا اور کہہ اٹھا کہ ہم بھی ان کی عبادت گاہ کو اسی طرح خاکستر بنائیں گے۔ حکم دیا وزیر اعظم کو بلاؤ۔ ابرہا بن صباح حاضر ہوا، حکم سنایا گیا، ایک لاکھ فوج اس کے ہمراہ کی گئی، چار سو ہاتھی کا اضافہ کیا گیا تاکہ جہاں انسانیت سے کام نہ چلے حیوانیت کے بل پر زور دکھایا جائے۔ فوج کا بادل مکہ کی طرف چل کھڑا ہوا، یہ خیال لے کر کہ کعبہ پر نازل ہوں اور وہاں کے بسنے والوں پر وہ قہر نازل کریں جس سے روئے زمین پر کبھی انسانوں کو سابقہ نہ پڑا ہو۔ یہ طوفانی فوج آندھی کی طرح بحر وبر کوہ ودشت سے گذر کر زمین بطحا پر پہنچ کر تھمی۔ مکہ والوں کے دل لرز گئے۔ سامان سمیٹ کر بھاگنے کی ٹھانی، اس وقت پیغمبر اسلامؐ کے جد جناب عبدالمطلبؑ ہی کی ذات گرامی قدر تھی جس نے ان کے سامنے پیام اطمینان وثبات پیش کیا، شرم دلائی۔ انہوں نے جواب دیا کہ بادشاہ قسم کھا چکا ہے کہ کعبہ کو منہدم کر کے رہے گا۔ اور اس کی ایک ایک اینٹ سمندر کی تہ میں پہنچا کر دم لے گا۔ نہ بچوں کو چھوڑے گا نہ عورتوں کو لہٰذا اس دور ابتلاء سے قبل ہم کو نکل جانے دیجئے۔

پاسبان کعبہ نے جواب دیا: ''مطمئن رہو کعبہ کا کچھ یہ نہ بنا (بگاڑ) سکیں گے کیونکہ اس کا ایک نگہبان ہے جس کی طاقت کے مقابل تمام قوتیں ہیچ ہیں لہذا تم لوگ بھی اگر اسی کو اپنی جائے پناہ بنالو تو تم بھی نجات پا جاؤ۔

سردار قریش نے بہت اطمینان دلایا، مگر اکھڑے قدم نہ جمے۔ کچھ پہاڑوں کی طرف نکل گئے اور کچھ صحراؤں کی سمت اور جو باقی بچے وہ سمندر پار بھاگے اور رئیس قریش سے بھی کہنے گئے کہ تم بھی بھاگ چلو مگر محافظ کعبہ نے جواب دیا کہ مجھ کو شرم آتی ہے کہ حریم قدس کو چھوڑ کر چل دوں میں تو کہیں نہ جاؤں گا جو حکم خدا ہوگا ہو رہے گا۔

سب نکل گئے بس کلید بردار کعبہ باقی ہیں۔ اور ان کے اقارب۔ معلوم ہوتا ہے خلیلؑ کی امانت کے امانت دار یہی ہیں اور حرم کے محرم کہ دنیا منہ موڑ لے مگر یہ ایسی امت مسلمہ ہیں جو خانۂ خدا سے روگرداں نہیں ہوسکتے، نہ اس کی ہتک و توہین برداشت کرسکتے ہیں۔ جناب عبدالمطلبؑ نے کعبہ کے ماحول کو سنسان دیکھ کر بارگاہ احدیت میں عرض کی: ''مالک! میرے تو وحشت زدہ افراد کا انیس ہے۔ تیرے ہوتے ہوئے کسی بے اطمینانی کا موقع نہیں ہے۔ گھر تیرا اور حرم تیرا ہے۔ ہم سب تیرے ہمسائے ہیں۔ جس کو چاہے روک دے اور جس کو چاہے آنے دے۔ گھر کے مالک کو گھر پر پورا اختیار ہوتا ہے۔

ابرہہ کا مکہ پہونچنا:۔ ابرہہ بن صباح سبزہ زار و کوہسار کو روندتا ہوا مکہ تک آ گیا۔ جناب عبدالمطلبؑ کے اسی ۸۰ ناقے قبضہ میں لے لئے۔ چرواہوں نے آکر خبر دی۔ آپ نے نہایت پراطمینان انداز میں فرمایا ''الحمدللہ یہ مال بھی خدا کا تھا اور زائران حرم کی تواضع کے لئے مہیا کیا گیا تھا۔ ہمارے یہاں تو وہ بطور رعایت تھا۔'' یہ فرما کر قمیص پہنی، ردا اوڑھی، پٹکا باندھا، سوار ہوئے۔ اقارب یہ سماں دیکھ کر آ پہنچے اور عرض کی کہ کہاں کا ارادہ ہے۔ اس مجسمہ عزم و استقلال نے جواب میں کہا کہ اس ظالم تک جانا چاہتا ہوں تاکہ مال خدا واپس لاؤں۔ یہ مقصد سن کر تمام اقارب سد راہ ہوئے اور کہنے لگے ہم آپ کو طوفان ظلم کے مقابل نہ جانے دیں گے۔ جناب عبدالمطلبؑ نے فرمایا: ''نہیں، جانے دو۔ میں انجام کار سے باخبر ہوں، میں بس جاتے ہی آتا ہوں۔''

عزیزوں نے راہ دے دی اور عبدالمطلبؑ ابرہہ کے سامنے پہنچے جیسے کوہ سیاہ کے مقابل ماہ تاباں آجائے یا شب تار پر نور سحر چھا جائے۔ قریب پہنچتے پہنچتے وہ سب مبہوت ہو چکے تھے جو جہاں تھا وہیں دم بخود رہ گیا۔ زبان سے اتنا پوچھ سکے کہ نور مجسم تم کون ہو؟ عبدالمطلبؑ نے فرمایا کہ بادشاہ تک جانا چاہتا ہوں۔ کسی نے کہا کہ بادشاہ تو یہ طے کر کے چلا ہے کہ تم میں سے کسی کو زندہ نہ چھوڑے۔ آپ نے نہایت پرسکون انداز میں فرمایا مجھ کو بہرحال اس تک پہنچنا ہے۔ عبدالمطلبؑ کو راہ دے دی گئی اور آپ ابرہہ تک پہنچے۔ دربانوں نے جا کر اس کو مطلع کیا کہ مکہ کا ایک رہنے والا بے خوف و ہراس آ گیا۔ ابرہہ نے بلانے کی اجازت دی اور فوج کو بالکل تیار رہنے کا حکم دے دیا۔ ہاتھیوں کی فوج بھی اس نے سامنے بلائی۔ کہنے کو ایک آدمی ہیں مگر بنی ہاشمؑ کے رعب و دبدبہ کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ان میں کے جو خلافت الٰہیہ کے منصب پر فائز نہیں ہوتے وہ بھی باطل کے مقابل اتنے وزنی ثابت ہوتے ہیں۔

یہ ہاتھی بھی مسلح تھے۔ سونڈ میں تلواریں، سر پر آہنی توے، فنون جنگ سے واقف اپنے سواروں کے حکم کے منتظر کہ اشارہ پاتے ہی کچل ڈالیں۔ مگر ہاشمؑ کا نور نظر جب چلا تو دشمن کی مسلح صفیں دیکھتی رہ گئیں۔ یہاں تک کہ ان سے گذر کر ہاتھیوں کے درہ سے عبور کر رہے تھے کہ ان سب کو چھوڑ دیا گیا۔ لیکن اس وقت ابرہہ اور اس کے لشکر کے تعجب کی انتہا نہ رہی جب اس جھومتے ہوئے پہاڑ نے سر نیاز عبدالمطلبؑ کے آگے خم کر دیا اور گھٹنے توڑ کر بیٹھ گیا جس کا نتیجہ وہی نکلا جو نکلنا چاہئے تھا۔ خوفزدہ کرنے والے خود خوفزدہ ہو گئے۔

ابرہہ خود آیا اور سردار مکہ کو نہایت احترام سے پہلو میں جگہ دی نام و مقام پوچھا۔ حد یہ ہوئی کہ خون آشام زبان ثنا خواں

ہوگئی اور صرف ایک شخص کے اوجِ عزم کے مقابلے میں اتنی بڑی قہار حکومت یہ کہنے کو آ گئی کہ جو کہو میں کرنے کو تیار ہوں، تمہاری مرضی ہو تو تمہارے شہر سے واپس جاؤں۔

ہاشمؑ کی یادگار تمہارا کیا کہنا، کارساز کعبہ کے تم محرم راز تھے۔ تقدیر کعبہ سے تمہارے ضمیر کی آواز کیسے متصادم ہو سکتی تھی۔ تم اگر کہہ دیتے اور وہ واپس ہو جاتے تو تمہیں اور اہل مکہ کو ہمیشہ حبشہ والوں کے بار احسان سے جھکنا پڑتا۔ کعبہ کی عظمت زیر نقاب رہ جاتی، خلیلؑ کی تعمیر اور ذبیحؑ کی محنت دنیا کی دیگر تعمیرات کے ہم پلّہ ہو کر رہ جاتی۔ بلکہ خدائے کعبہ کی قدرت و توانائی محل بحث بن جاتی۔

عبدالمطلبؑ نے فرمایا کہ کعبہ اور حرم کے بابت مجھے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کہنا ہے تو اتنا کہ تمہارے لٹیروں نے ہمارے اسی ۸۰/اونٹ لوٹ لئے ہیں جو کہ حاجیوں کی ضرورتوں کے پیش نظر میں نے فراہم کئے تھے۔ چاہو تو انہیں واپس کر دو۔ فوراً ابرہہ نے حکم دیا اور وہ واپس ہو گئے۔ دوسری بار پھر وہ کہتا ہے کہ کچھ اور مانگنا ہو تو مانگو۔ یہ گویا پھر شکست کا مظاہرہ تھا اور عزت سے واپسی کی فکر۔ یقین کیجئے جو کوئی اور ہوتا تو ضرور کعبہ و حرم کے لئے ایسے وقت میں کچھ کہہ جاتا مگر عبدالمطلبؑ کیوں کچھ کہیں وہ تو اپنے یقین کے آئینہ میں کعبہ کا درخشاں مستقبل دیکھ رہے ہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ روز روز کا جھگڑا لگا رہے۔ آج ایسی فیصلہ کن جنگ ہو جائے کہ ہمیشہ کے لئے جارحانہ اقدام کا تصور ختم ہو جائے۔ میرا خیال ہے کہ دشمن کے استقلال میں خود فتور پیدا ہو چکا تھا۔ اس کو خود اپنی فتح مشکوک نظر آ رہی تھی۔ چنانچہ جب عبدالمطلبؑ نے فرمایا کہ نہیں اس کے سوا کچھ اور کہنا نہیں ہے۔ تو اس نے تیسری بار کہا کہ حرم کے لئے مجھ سے کیوں نہیں کچھ کہتے مگر جناب عبدالمطلبؑ نے وہی جواب دیا کہ پوچھا کیوں؟ آپ نے فرمایا کہ جب اس کا ایک کارساز ہے تو مجھے یا کسی اور کو کیا کرنا ہے۔

درحقیقت یہ جواب صرف ایک دشمن کے تقاضے کا جواب نہیں ہے بلکہ ان لفظوں سے عبدالمطلبؑ نے وجود خدا اور اس کی وحدانیت کی پیام بری کی ہے اور اس کی قادریت کا خاکہ پیش کیا ہے کیونکہ اس کے بعد جب ابرہہ نے کہا کہ میں پھر ابھی چل کر مکہ اور اس کے رہنے والوں کو تباہ و برباد کئے دیتا ہوں تو جناب عبدالمطلبؑ نے فرمایا کہ اگر یہ تمہارے بس کی بات ہو تو کر و اور یہ فرما کر آپ واپس تشریف لے آئے اور واپسی میں بھی اس فیل سے اسی تواضع و انکسار کا مظاہرہ ہوا جو جاتے وقت ہوا تھا۔

خود تو چلے آئے مگر دبدبہ ہاشمی کے غیر فانی نقوش قلب دشمن میں چھوڑ آئے جس کے آثار اس اعتراف کی شکل میں زبان پر ظاہر ہوئے کہ ''اس شخص کی زبردست ہیبت میرے دل میں سمائی ہے، کچھ تم ہی لوگ بتاؤ کہ کیا کرنا چاہئے۔ ان لوگوں نے وہی تباہ کاری کا مشورہ پیش کیا'' کہ مکہ لوٹ لیں اور حرم کی اینٹ اینٹ جدہ کے سمندر میں پھینک دیں۔

ادھر عبدالمطلبؑ اپنے ناقے لئے ہوئے خلاف امید پہنچے اور ان کی اولاد و احفاد نے ناامیدی کے بعد امید کی کرن دیکھی۔ فرطِ مسرت سے ان کا عالم یہ تھا کہ کوئی ہاتھوں کو بوسہ دے رہا تھا، کوئی قدموں سے لپٹا تھا اور کچھ لباس جسم سے آنکھیں مس کر رہے تھے اور ادھر ابرہہ مع لشکر کے تخریبی اقدام کے ماتحت چلا، جناب عبدالمطلبؑ نے مکہ خالی کر دیا اور اپنے اقارب کو لے کر قریب کے پہاڑ ابوقبیس پر چلے گئے تاکہ مشیت خداوندی کے لئے راستہ صاف ہو جائے اور حکم الٰہی کو نافذ ہونے میں تردد نہ ہو۔ جیسے انبیاء سابقین نے حکم خدا سے قہر الٰہی کا نشانہ بننے والی بستیوں کو چھوڑا تھا۔

چلتے وقت آپ نے بارگاہ احدیت میں وہی کچھ عرض کی تھی جو بعد میں ظاہر ہوا اور جس کا اعادہ بعد میں کوہ ابوقبیس پر پہنچ کر بھی آپ نے اور آپ کے اقارب نے کیا۔

عبدالمطلب علیہ السلام کی فتح عظیم

خدا سے نصر و ظفر کا طلب گار پہاڑ پر پہنچا اور حیوانیت کے بل پر مقابلہ کرنے والی جماعت حرم کی طرف چلی۔ جب غبار کی چادر ہٹی تو معلوم ہوا جیسے کوئی عظیم کوہستانی سلسلہ چلا آ رہا ہو۔ حرم کے قریب پہنچ کر قدرت نے چاہا کہ آخر میں پھر

ایک بار غافلوں کو چونکا کر اتمام حجت کر دی جائے ۔ چنانچہ حرم تک پہنچتے پہنچتے وہ کوہ پیکر فیل جو گویا فوج کا علم تھا یکا یک رک گیا۔ جو ساری تدبیریں کرنے کے بعد اسی وقت چلنے پر تیار ہوا جب اس کا رخ موڑ دیا گیا۔

آخر میں پھر مصالحت کی کوشش اس درمیان ایک بار پھر مصالحت کی ناکام کوشش ناروا طور پر کی گئی اور کہلایا گیا کہ ہم اب بھی واپس جانے کو تیار ہیں بشرطیکہ حرجانہ ادا کر دیا جائے اور ہمارے دیر کا تاوان برداشت کیا جائے۔

جناب عبدالمطلبؑ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ بے گناہ خطا کار کے اعمال کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جا سکتا، ہماری عادت تو پر امن رہنے اور ظلم سے بچنے کی ہمیشہ رہی اور کبھی ہم سے کسی کو اذیت نہیں پہنچی۔ رہا یہ حرم تو میں کہہ چکا کہ اس کا ایک رب ہے جو اس کی حفاظت کرلے گا۔ تم اپنے سردار سے کہہ دو کہ دل چاہے تو قیام کرے یا واپس جائے۔

نزول قہر:۔ جب یہ پیام استغنا ان تک پہنچا تو سردار نے کہا بس اب مصالحت کی کوئی صورت نہیں، چلو مکہ کو لوٹ لیں، اس کے بعد ہی وہ طوفانی فوج حرم کی طرف بڑھی۔ بس قریب آنا تھا کہ رحیم وکریم خالق کو شریر بندوں پر غصہ آ گیا اور معمولی مگر اطاعت گذار بندوں نے جفا جو انسانوں کو چھوٹی چھوٹی کنکریوں سے خاک میں ملا دیا سرداران فوج کے تیر وکمان ان کے لئے بیکار ثابت ہوئے بلکہ وزنی خود، فولادی زرہ بھی ان چنے، مسور جیسے دانوں کو نہ روک سکے، نہ ابرہہ بچا سکا نہ اس کی فوج۔ عبدالمطلبؑ کو یقین محکم کے صلہ میں خدا نے فتح عظیم عنایت کی۔

اس واقعہ میں قہر الٰہی کے نزول کی شان بھی منزل کی نزاکت کے لحاظ سے ہے۔ دستور قدیم کے مطابق نہ تو زمین شق ہوتی ہے، نہ آگ برستی ہے، نہ تیز وتند ہوا آتی ہے، نہ طبقہ الٹا جاتا ہے، نہ انسانوں کو مسخ کیا جاتا ہے کیونکہ جگہ ایسی ہے جو طوفان نوحؑ کے ہمہ گیر قہر کے موقع پر بھی عذاب کے پانی سے علیٰحدہ رہی۔ لہٰذا چھوٹے چھوٹے پرندوں کے ذریعہ سے ننھی ننھی کنکریاں ٹھیک مرکز ظلم پر یوں ماری جاتی ہیں کہ نہ کعبہ کو صدمہ پہنچے، نہ سرزمین حرم کی حرمت کے خلاف ہو، نہ کوئی بے قصور ماخوذ ہو، نہ کوئی قصوروار رہ جائے۔

عبدالمطلب علیہ السلام کا شاہِ یمن کے یہاں جانا

واقعہ فیل کی طرح اس واقعہ سے بھی آپ کی غیر معمولی جلالت وسیادت نمایاں ہوتی ہے اور دوراندیشی وتدبیر کا بھی پتہ چلتا ہے۔ واقعہ فیل سے کعبہ وحرم کی عظمت دور دراز ملکوں تک پہنچ گئی اور بنی ہاشم کی وجاہت کا سکّہ حبشہ اور اس کے اطراف و جوانب میں رائج ہوگیا۔ اسی طرح شاہ یمن کے یہاں جانے سے بھی بنی ہاشم کی جلالت آشکار ہوئی۔ یہ گویا دادا کے ہاتھوں پوتےؐ کی پیغامبری کے لئے زمین ہموار ہو رہی تھی اور دنیا کو متوجہ کیا جا رہا تھا کہ جس نورؐ کے بارکش ایسے ہیں وہ خود کیسا ہوگا۔

یمن جانے کا مشورہ جناب عبدالمطلبؑ نے رؤسائے قریش کو دارالندوہ میں جمع کیا اور شاہ یمن کے یہاں چلنے کی ضرورت ظاہر کی۔ سب نے آپ کی قیادت کو تسلیم کیا اور ستائیس آدمیوں کے ساتھ آپ روانہ ہوئے۔ سفر طے ہوا، یمن میں داخل ہوئے۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ بادشاہ موسم بہار کی وجہ سے ''قصر غمدان'' میں ہے اور چالیس دن سے قبل کوئی ملاقات ہو ہی نہیں سکتی۔ حاجبوں سے گفتگو کرنے سے معلوم ہوا کہ رسائی ناممکن ہے اور بادشاہ دیکھتے ہی قتل کر دے گا۔ حاجبوں نے جو کچھ کہا تھا اپنے علم وتجربہ کے لحاظ سے کہا تھا۔ ان کو یہ کیا معلوم کہ کچھ غیر معمولی ہستیاں ایسی ہیں جن کے سامنے فرّ سلطانی ہوا ہو جاتا ہے۔

قصر شاہی میں داخلہ:۔ جناب عبدالمطلبؑ دربانوں کے ماحول سے ان کو نیم مطمئن کر کے آگے بڑھے بہشت دنیا پر قدم رکھا۔ ساتھی سب دروازے پر رہ گئے، صرف کردار کی عظمت اور ذاتی جلال گرد و پیش ہے جس نے کسی منزل پر رکنے کی مہلت نہ دی سیدھے لے جا کر بساط شاہی کے سامنے کھڑا کر دیا۔ اسی غیر معمولی اقدام کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں ایک دوسرے کے خطوط پیشانی کا مطالعہ نقاد نظروں سے کر رہے ہیں اور خاموش ہیں۔ کچھ

دیر کے بعد ان باتوں کے لئے استفسار ہوتا ہے جن کے لئے لب کشائی درکار ہے۔ آپ کون ہیں؟ جناب عبدالمطلب نے جواب دیا: ''میں اپنے نام کے بعد سلسلۂ نسب آدم تک پہنچا دیا۔ سیف بن ذی نیرن نے کہا'' تم میرے بھانجے ہو'' ۔آپ نے جواب دیا: ''ضرور ایسا ہے کیونکہ آپ آل قحطان ہیں جو کہ بھائی کی اولاد ہیں اور آل اسمٰعیل بہن کی اولاد ہیں۔'' اب انس کے جذبات متحرک ہوئے اور دونوں نے ایک دوسرے کی طرف ہاتھ بڑھایا ۔بادشاہ نے اپنے پہلو میں جگہ دی۔آنے کا مقصد دریافت کیا۔ جناب عبدالمطلبؑ نے ارشاد فرمایا کہ ہم حرم کے رہنے والے ہیں، کعبہ کے دربان آپ کو مبارکباد دینے آئے ہیں کہ آپ کا دشمن ہلاک ہوا اور آپ کو کامیابی حاصل ہوئی۔خدا آپ کے دور حکومت کو طولانی کرے۔ان کلمات محبت کو سن کر وہ مسرور ہوا اور جناب عبدالمطلبؑ کو ان کے ہمراہیوں سمیت نہایت احترام سے اپنا مہمان کیا۔

شاہ یمن کا بشارت دینا بعثت نبیؐ کی

ایک دن اس نے تنہا جناب عبدالمطلبؑ کو بلایا اور اپنے گرد وپیش کے لوگوں کو ہٹا دیا۔اس مجلس میں کوئی نہ رہ گیا۔ سوائے بادشاہ اور عبدالمطلبؑ کے اس وقت وہ مخاطب ہوا اور کہنے لگا: ''تمہارے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کے دوش پر مہر نبوت ہوگی، ابر اس پر سایہ فگن رہا کرے گا۔اس کے ماں باپ بچپن میں مرجائیں گے، اس کی تربیت اس کے دادا اور چچا کے ذمہ ہوگی ۔ میں نے بنی اسرائیل کی کتابوں میں اس کے اوصاف دیکھے ہیں ، میرا خیال ہے کہ آپ اس کے جد ہیں، جناب نے فرمایا: ''ہاں میں اس کا جد ہوں'' بادشاہ نے کہا'' میں ان پر ایمان لاتا ہوں اور ان کے خدا کے یہاں سے لائے ہوئے پیام پر۔مگر آپ ان باتوں کو کسی پر ظاہر نہ کیجئے گا۔جب تک کہ خداؤں کو ظاہر نہ کرے۔کیونکہ ان کے دشمن بہت ہیں۔

عبدالمطلبؑ کی واپسی :۔ اس گفتگو کے بعد اس نے جناب عبدالمطلبؑ کو رخصت کردیا اور دوسرے روز تمام اصحاب کو بلا کر سب کو انعام واکرام دیا۔خصوصاً آپ کو بہت زیادہ نوازا۔

واپسی پر اہل مکہ نے آپ کا استقبال کیا ۔ جناب سرورکائناتؐ بھی اس قابل ہوگئے تھے کہ استقبال کو نکلیں۔ چنانچہ آپ بھی بیرون مکہ استقبال کے لئے گئے ۔ جناب عبدالمطلبؑ نے بھی اولاد واحفاد میں سے کسی کو نہیں پوچھا۔ پہلا سوال یہ کیا کہ محمدؐ کہاں ہیں؟ لوگوں نے بتایا اور دادا نے فوراً سواری سے اتر کر معانقہ کیا اور پریشانی کو بوسہ دیا۔

رسالت عبدالمطلب علیہ السلام کے آغوش میں

جس طرح جناب ہاشم نے عبدالمطلبؑ کو نہیں دیکھا، اسی طرح جناب عبداللہ نے سرورِکائناتؐ کو نہیں دیکھا اور بعض مورخین نے لکھا ہے کہ آپ چند ماہ کے ہوچکے تھے جب انتقال ہوا۔

ماں کا سایۂ عاطفت بھی زیادہ دن تک میسر نہ ہوا۔ چھ سال کی عمر ہی کیا ہوتی ہے۔مدینہ تشریف لے گئی تھیں اپنے میکہ والوں کے یہاں اور شوہر کے قبر کی زیارت بھی مقصود تھی، واپسی میں مقام''ابواء'' تک پہنچ کر انتقال ہوگیا اور جناب ام ایمن مہر نبوت کو مکہ واپس لائیں۔اس کے بعد تربیت کے فرائض براہ راست جناب عبدالمطلبؑ سے متعلق ہوگئے۔گویا قدرت نے جواں مرگ فرزند کا نعم البدل عطا کیا اس وقت آپ کی عمر اسی ۸۰/برس کی ہوچکی تھی اور متعدد جوان بچے اور جوان فرزند موجود تھے۔مگر اس کام کو خود سنبھالا اور اس میں مادر جناب حمزہ سے خاص مدد ملی ۔ خلوت وجلوت میں ساتھ رکھا اور اس عالم پیری میں جب اپنا سنبھالنا خود ہی دشوار ہوتا ہے، اولاد واحفاد کی دستگیری کا انتظار ہوتا ہے، تربیت سے دل سیر ہوتا ہے، ایسا انقلاب آتا ہے کہ خود مربی کی تلاش ہوتی ہے لیکن یہاں وہ شفقتیں ظہور میں آئی ہیں جو اولاد کے ساتھ بھی نہ آئی تھیں۔

عبدالمطلب علیہ السلام کی تربیت کا انداز

جناب عبدالمطلبؑ نے اپنی امانت کے دور میں شان رسالت کا تحفظ قائم رکھا۔چنانچہ اسی دور میں ایک بار قومی جلسہ کیا گیا۔زیر خانۂ کعبہ فرش بچھایا گیا۔یہ آپ کی بزرگانہ شان کے

خصوصیات میں سے تھا۔ دوسرے کسی کے لئے زیر خانہ کعبہ فرش نہیں بچھایا جاتا تھا۔ چاروں طرف اپنے اپنے منصب پر سب اولاد واحفاد بیٹھی۔ صدر جگہ امیر مکہ متولی کعبہ کے لئے چھوڑ دی گئی۔ جہاں کسی کو بیٹھنے کا حق نہ تھا اگر چہ اولاد ہی میں سے کیوں نہ ہو۔

اتفاق سے یتیم عبداللہ تشریف لائے اور سیدھے جد کی جگہ پر جا بیٹھے۔ آپ کے اعمام نے روک کر اپنی جگہ پر ساتھ بٹھلانا چاہا کہ حضرت عبدالمطلبؑ آ گئے اور فرمایا: ''کیوں روکتے ہو، چھوڑ دو۔ اس کے لئے ایک خاص شان ہے۔'' یہ فرما کر ان کو لے کر اپنی جگہ پر بیٹھ گئے اور پشت مبارک پر دست محبت پھیرنے لگے اور جو دل شکنی ہوئی تھی اس کا تدارک کیا۔

مکہ میں ایک بار متواتر کئی سال قحط پڑا۔ اور عبدالمطلبؑ کے زیر قیادت تمام قبائل وعشائر کوہ ابوقبیس پر گئے لیکن تنہا نہیں گئے۔ کم سن پوتے کو ساتھ لے گئے۔ دعا کی اور سرور کائنات کی برکت سے سیراب ہوئے۔

وفات عبدالمطلبؑ:۔ رسالت مآبؐ کے رشتۂ حیات میں آٹھ گرہیں پڑ چکی تھیں کہ قدرت کو منظور ہوا کہ ان کے بار کو ہلکا کیا جائے۔ اور جناب ابوطالبؑ کو اس خدمت سے سرفراز کیا جائے جس کی تمنا انہوں نے اس وقت ظاہر کی تھی جب عبداللہ کی قربانی کا مسئلہ درپیش تھا۔ عبدالمطلب علیل ہوئے۔ جب علالت میں شدت ہوئی تو آپ نے حکم دیا کہ بیت الحرام کے نزدیک لے چلیں اور کعبہ کے پردوں سے متصل رکھ دیں۔ یہ سریر جس پر آپ تھے سیاہ چوب خیزران کا تھا جو جناب عبدمناف سے آپ تک پہنچا تھا اور چوبی کاری گری کا ایک شاہکار تھا، جس پر نہایت مکلف فرش تھا۔ تعمیل ارشاد کی گئی اور آپ کی اولاد اس کے چاروں طرف بیٹھ گئی۔ ایک عبداللہ نہ تھے۔ لیکن ان کی یادگارؐ موجود تھی۔ ان کے علاوہ رؤساء قریش، شیوخ قبائل سب موجود ہیں۔ کوئی آنکھ ایسی نہیں ہے جو آنسو نہ بہا رہی ہو۔ اس وقت جب کہ کسی ناگوار عمل کا مظاہرہ مناسب نہیں ہوتا، ابولہب آیا اور یتیم عبداللہ کو عبدالمطلبؑ کے پاس سے جدا کرنے لگا۔ آپ اس کو برداشت نہ کر سکے اور اس کی تنبیہ کی۔

نور رسالت کی ابوطالب علیہ السلام کو وصیّت

اس کے بعد ابوطالب کی طرف آپ نے کروٹ بدلی اور کچھ اشعار وصیت کے طور پر ارشاد فرمائے جن میں جو کچھ ہے یتیم عبداللہؐ کے لئے ہے۔ فرماتے ہیں کہ ''میں تم کو اس بچہ کی وصیت کرتا ہوں جو باپ سے بچھڑ کر اکیلا رہ گیا ہے۔ میں ہی اس کی ماں تھا اور باپ بھی، میں ہر وقت اس کو چھاتی سے لگائے رہتا تھا۔ اب میں جاتے جاتے اس کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کو کہے جاتا ہوں۔

اس کے بعد نثر میں جو کچھ جناب ابوطالبؑ سے کہا وہ بھی انہیں مضامین پر مشتمل ہے۔ فرماتے ہیں:۔

''ابوطالب میں تم کو وصیت کرتا ہوں اپنے قرۃ العین محمدؐ کے بارے میں، تم کو معلوم ہے کہ میرے دل میں اس کا کیا محل ومقام ہے۔ تم اس کا اکرام کرنا۔ اور دن رات پیش نظر رکھنا جب تک تمہاری حیات ہے۔''

اس کے بعد باقی اولاد سے فرمایا کہ تم کو بھی یہی حکم دیتا ہوں۔ سب نے کہا کہ جان ومال ان پر تصدق ہے، ہم سب ان کا فدیہ ہیں۔ اس کے بعد آپ نے آنکھیں ذرا دیر کے لئے بند فرمائیں اور پھر کھولیں۔ قریش کو مخاطب کر کے فرمایا ''کیا تم سب پر میرا حق نہیں عائد نہیں ہوتا؟'' سب نے بیک آواز کہا کہ ہم میں چھوٹے بڑے سب پر آپ کا بڑا حق ہے۔ آپ ہمارے بہترین قائد تھے۔ اس اقرار کے بعد عبدالمطلبؑ فرماتے ہیں: ''میں تم سب کو اپنے فرزند محمدؐ بن عبداللہ کی وصیت کرتا ہوں۔ ان کا اکرام کرنا اور جفا نہ کرنا۔''

معلوم ہوتا ہے بوقت آخر اگر کوئی فکر تھی تو یتیم عبداللہؐ کی۔ حالانکہ بقول ابن سعد عرب میں کوئی باپ اتنے بیٹوں والا نہ تھا۔ مگر کسی کی فکر نہیں۔ اور پوتے بھی ہیں، مگر نہ کسی کی فکر نہ وصیت۔ ہاں ایک ہشت سالہ پوتا ایسا ہے جس کے خیال سے دل معمور ہے، جس کی کفالت، حفاظت، اعانت کا ابوطالبؑ کو

ذمہ دار بنایا جاتا ہے۔ حالانکہ بھائیوں میں آپ سے بڑے موجود ہیں مگر سن رسیدگی معیار انتخاب نہیں ہے دیکھنا یہ ہے کہ تکمیل مقصد کی صلاحیتیں کس میں زیادہ ہیں۔

یہ یادرہے کہ اس امانت کے لئے امانت دار کی تشخیص میں صرف صلبی وبطنی یگانگت کا خیال نہیں رکھا گیا بلکہ مشورہ الٰہی کا لحاظ کیا گیا چنانچہ زرقانی مواھب للدنیہ میں لکھتے ہیں۔

''عبدالمطلبؑ نے اولاد کے درمیان قرعہ اندازی کی اور قرعہ ابوطالبؑ کے لئے نکلا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ خدا ایسے کو اپنی ایسی امانت سپرد کرے جو اس کا منکر اور اس کے قانون کا مخالف ہو۔

واقعہ فیل کے آٹھ برس بعد عبدالمطلبؑ کا دس ربیع الاول کو مکہ میں انتقال ہوا۔ یتیم عبداللہؐ کو جد کی مفارقت کا بے حد صدمہ ہوا۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ جنازے کے پیچھے روتے ہوئے گئے۔ جناب عبدالمطلب کا مدفن ''حجون'' ہے جو مکہ میں ایک پہاڑ ہے۔

اسد علی بقلمہ

پنجشنبہ ۴ ذی الحجہ ۱۳۷۳ھ/ مطابق ۵ / اگست ۱۹۵۴ء

(اشاعت اولی سلسلہ اشاعت امامیہ مشن، لکھنؤ نمبر ۱۴۳ صفر المظفر ۱۳۷۴ھ)

❁❁❁

(صفحہ ۱۳ / کا بقیہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔)

کہ جب تک خوبیوں کا احصا نہ ہو جائے جو پسند کرنے کا حق ہے وہ حاصل نہیں ہو سکتا اور اس کلام کے محاسن کوئی سمجھ ہی نہیں سکتا تاکہ اس حد تک پسند کرنے سے زائد تعجب کا حصہ اس میں ہوگا باوجود اس کے (کہ کوئی ان تمام محاسن کو سمجھ نہیں سکتا) اس میں وہ فصاحت کی زیادتیاں ہیں جس کو کوئی زبان ادا نہیں کر سکتی اور جس کی راہوں میں کوئی انسان پہنچ نہیں سکتا۔ جو میں کہہ رہا ہوں اس کو وہی سمجھ سکتا ہے جس نے فصاحت وبلاغت کی منزلوں کو جو حق ہے اس طرح طے کیا ہو اور فصاحت کی اصل کو سمجھ گیا ہو **وما یعقلھا الاالعالمون** سوائے صاحبان علم کے کوئی اس کو نہیں سمجھ سکتا۔

اب میں مضمون کو ختم کرتا ہوں، وہ تصویریں جو امیر المومنینؑ نے موت کی کھینچی ہیں یا قبر کی ہولناک منزل کا منظر پیش کیا ہے وہ ناظرین کی خدمت میں کسی دوسرے نمبر میں پیش کروں گا۔

❁❁❁

(الواعظ دسمبر ۱۹۳۲ء/ جمادی الاول ۱۳۴۲ھ)